

## 26

احباب جماعت نے خدمت انسانیت اور اخلاص و وفا کے بے نظیر

نمونے قائم کئے ہیں

۱۷ اکتوبر ۲۰۰۳ء بمطابق ۱۷/۱۷/۱۷ خا ۱۳۸۲ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن



☆.....جماعت احمدیہ نے خوب دل کھول کر خدمت خلق کے کاموں کو سرانجام دیا

ہے۔

☆.....ڈاکٹروں کو مستقل اور عارضی وقف کی تحریک۔

☆.....صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خدمت خلق میں نمونہ

☆.....جماعت احمدیہ کے خدمت خلق کا غیروں کی زبان سے اعتراف

تشہد و تعوذ کے بعد فرمایا:

جماعت میں خدمت خلق اور بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے جتنا زور دیا جاتا ہے اور ہر امیر غریب اپنی بساط کے مطابق اس کوشش میں ہوتا ہے کہ کب اسے موقع ملے اور وہ اللہ کی رضا کی خاطر خدمت خلق کے کام کو سرانجام دے۔ کیوں ہر احمدی کا دل خدمت خلق کے کاموں میں اتنا کھلا ہے اس لئے کہ اسلام کی جس خوبصورت تعلیم کو ہم بھول چکے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت چاہتے ہو تو پھر اس کی مخلوق سے اچھا سلوک کرو، ان کی ضروریات کا خیال رکھو۔ یہ بھی ایک بہت بڑا ذریعہ ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قرب سے نوازے گا۔ اس خوبصورت تعلیم کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی شرائط بیعت کی ایک بنیادی شرط قرار دیا ہے کہ میرے ساتھ منسلک ہونے کے بعد اپنی تمام تر طاقتوں اور نعمتوں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی نہ صرف ہمدردی کرو بلکہ ان کو فائدہ بھی پہنچاؤ۔ اس لئے اگر زلزلہ زدگان کی مدد کی ضرورت ہے تو احمدی آگے ہے۔ سیلاب زدگان کی مدد کی ضرورت ہے تو احمدی آگے ہے۔ بعض دفعہ تو ایسے مواقع بھی آئے کہ پانی کی تند و تیز دھاروں میں بہ کر احمدی نوجوانوں نے اپنی جانوں کو تو قربان کر دیا لیکن ڈوبتے ہوؤں کو کنارے پر پہنچا دیا۔ پھر خلیفہ وقت نے جب یہ اعلان کیا کہ مجھے افریقہ کے غریب بچوں کی تعلیم اور بیماریوں کی وجہ سے دکھی مخلوق جنہیں علاج کی سہولت میسر نہیں، سکول اور ہسپتال کھولنے کے لئے اتنی رقم کی ضرورت ہے تو افراد جماعت اس جذبہ کے تحت جو ایک احمدی کے دل میں دکھی انسانیت کے لئے ہونا چاہئے یہ رقم مہیا کریں اور اس بیماری جماعت کے افراد نے خلیفہ وقت کے اس مطالبہ پر لیک کہتے ہوئے اس سے کئی گنا زیادہ رقم خلیفہ وقت کے سامنے رکھ دی جس کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور پھر جب

خليفة وقت نے یہ کہا کہ یہ رقم تو مہیا ہوگئی اب مجھے ان سکولوں اور ہسپتالوں کو چلانے کے لئے افرادی قوت کی بھی ضرورت ہے تو ڈاکٹرز اور ٹیچرز نے انتہائی خلوص کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کیا۔ اب تو افریقہ کے حالات نسبتاً بہتر ہیں۔ ستر کی دہائی میں جب یہ نصرت جہاں سکیم شروع کی گئی تھی انتہائی نامساعد حالات تھے۔ اور ان نامساعد حالات میں ان لوگوں نے گزارا کیا۔ بعض ڈاکٹرز اور ٹیچرز اچھی ملازمتوں پر تھے لیکن وقف کے بعد دیہاتوں میں بھی جا کر رہے۔ اکثر ہسپتال اور سکول دیہاتوں میں تھے جہاں نہ بجلی کی سہولت نہ پانی کی سہولت لیکن دکھی انسانیت کی خدمت کے عہد بیعت کو نبھانا تھا اس لئے کسی بھی روک اور سہولت کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کی۔ شروع میں ہسپتالوں کا یہ حال تھا کہ لکڑی کی میز لے کر اس پر مریض کو لٹایا، روشنی کی کمی چند لٹیٹینوں یا گیس لیمپ سے پوری کی اور جو بھی چاقو، چھریاں، قینچیاں، سامان آپریشن کا میسر تھا اس پر مریض کا آپریشن کر دیا اور پھر دعا میں مشغول ہو گئے کہ اے خدا میرے پاس تو جو کچھ میسر تھا اس کام میں نے علاج کر دیا ہے۔ میرے خلیفہ نے مجھے کہا تھا کہ دعا سے علاج کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ میں بہت شفا رکھے گا۔ تو ہی شفا دے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان قربانی کرنے والے ڈاکٹروں کی قدر کی اور ایسے ایسے لا علاج مریض شفا پا کر گئے کہ دنیا حیران ہوتی تھی۔ اور پھر مالی ضرورتیں بھی اس طرح خدا تعالیٰ نے پوری کیں کہ بڑے بڑے امراء بھی شہروں کے بڑے ہسپتالوں کو چھوڑ کر ہمارے چھوٹے دیہاتی ہسپتالوں میں آ کر علاج کروانے کو ترجیح دیتے تھے۔ اسی طرح اساتذہ نے بھی بنی نوع انسان کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر بچوں کو زور تعلیم سے آراستہ کیا۔ ڈاکٹروں اور اساتذہ کی خدمات کے سلسلے آج بھی جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ سلسلے جاری رکھے اور ان سب خدمت کرنے والوں کو اجر عظیم سے نوازتا رہے۔

جلسے پر میں نے ڈاکٹروں کو توجہ دلائی تھی کہ ہمارے افریقہ کے ہسپتالوں کے لئے ڈاکٹر مستقل یا عارضی وقف کریں۔ اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حالات بہت بہتر ہیں۔ وہ دقتیں اور وہ مشکلات بھی نہیں رہیں جو شروع کے واقفین کو پیش آئیں اور اکثر جگہ تو بہت بہتر حالات ہیں اور تمام سہولیات میسر ہیں۔ اور اگر کچھ تھوڑی بہت مشکلات ہوں بھی تو اس عہد بیعت کو سامنے رکھیں کہ محض اللہ اپنی خداداد طاقتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچاؤں گا۔ آگے آئیں اور مسیح الزمان سے باندھے

ہوئے اس عہد کو پورا کریں۔ اور ان کی دعاؤں کے وارث بنیں۔ اسی طرح ربوہ میں فضل عمر ہسپتال کے لئے بھی ڈاکٹروں کی ضرورت ہے وہاں بھی ڈاکٹر صاحبان کو اپنے آپ کو پیش کرنا چاہئے۔ پھر پاکستان میں بھی اور دوسرے ملکوں میں بھی بچوں کی تعلیم اور مریضوں کے علاج کے لئے مستقلاً احباب جماعتی انتظام کے تحت مالی اعانت کرتے ہیں اور پاکستان اور ہندوستان جیسے ملکوں میں جہاں غربت بہت زیادہ ہے اس مقصد کے لئے مالی اعانت کرنے والے اس خدمت کی وجہ سے مریضوں کی دعائیں لے رہے ہیں۔ تو اس نیک کام کو بھی احباب جماعت کو جاری رکھنا چاہئے اور پہلے سے بڑھ کر جاری رکھنا چاہئے اور پہلے سے بڑھ کر کرنا چاہئیکہ دکھوں میں اضافہ بھی بڑی تیزی سے ہو رہا ہے۔

اب میں بعض پرانے بزرگوں کے واقعات جو خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار تھے پیش کرتا ہوں۔

حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب رضی اللہ عنہ کے نمونہ کے بارہ میں ان کے متعلق بیان کرنے والے لکھتے ہیں کہ مرحوم ایک زندہ مثال تھے ایسے شخص کی جو حدیث کے مطابق اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرتا تھا جو اپنے لئے پسند کرتا اور کبھی اپنے بھائی سے ایسا سلوک روا نہ رکھتا جو اس کو اپنے لئے ناگوار ہو۔ وہ ہمیشہ اس جستجو میں رہتا تھا کہ اس کو کوئی ایسی خدمت میسر آئے اور کوئی ایسا موقع ہو جس میں وہ اپنے کسی بھائی اور دوست کی مدد کرے۔ تو ان کے بارہ میں آتا ہے کہ جب وہ کالج میں پڑھا کرتے تھے اور جب جماعت کا لیکچر ہوتا تو آتے تھے اور وہاں ہر احمدی کو جا کر ملا کرتے تھے اور اگر کوئی بھائی بیمار ہوتا تو ان کے مکان پر جاتے، اُن کی بیمار پرسی کرتے اور بعض دفعہ تقریباً ہر روز ان بیماروں کو دیکھنے جایا کرتے۔ ایک دفعہ مفتی محمد صادق صاحب بخت بیمار ہو گئے تو مرحوم کئی روز تک مفتی صاحب کے لئے ان کے مکان میں رہے اور رات دن ان کی خدمت کی اور ان کی ساری جو بیماری کی حالت میں بعض دفعہ گند بھی اٹھانا پڑتا تھا تو وہ بھی اٹھالیا کرتے تھے۔

(اصحاب احمد جلد ۱ صفحہ ۱۹۹۔ ۲۰۰)

پھر حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اپنی والدہ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اگر دشمن نہ ہو تو کوئی دشمن کیا بگاڑ سکتا ہے۔ اور اس لحاظ سے میں تو کسی کو دشمن نہیں سمجھتی اور دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک بہت کیا کرتی تھیں۔ فرماتی تھیں کہ جس سے دل خوش

ہوتا ہے اس کے ساتھ تو حسن سلوک کے لئے خود ہی دل چاہتا ہے۔ اس میں ثواب کی کونسی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے تو انسان کو چاہئے کہ ان لوگوں سے بھی احسان اور نیکی سے پیش آوے جن پر دل راضی نہیں ہوتا۔

وہ لکھتے ہیں کہ ڈسکہ میں رہتی تھیں تو وہاں کے لوگوں کے ساتھ بڑا فیاضانہ سلوک تھا اور لوگ بھی بڑی عزت و احترام سے انہیں دیکھتے تھے۔ جب احرار کا جھگڑا شروع ہوا تو اس کا اثر ان کے علاقہ میں بھی پڑا اور وہی لوگ جو مدد لیا کرتے تھے دشمنیاں کرنے لگ گئے۔ لیکن اس دشمنی کا بھی ان کی والدہ پر کوئی اثر نہیں پڑا اور اگر ان کے رشتہ داروں میں سے کوئی یہ بھی کہتا کہ آپ فلاں شخص کی مدد کر رہی ہیں جبکہ وہ ہماری مخالفت کر رہا ہے، احرار میں شامل ہے تو بڑا برا منایا کرتی تھیں کہ تم مجھے اس خدمت سے کیوں روک رہے ہو۔

ایک دفعہ بیان کرنے والے لکھتے ہیں کہ کچھ پارچاٹ، کپڑے وغیرہ تیار کر رہی تھیں تو انہوں نے جا کر ان کو کہا کہ آپ کس کے لئے تیار کر رہی ہیں تو چوہدری صاحب کی والدہ نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے بچوں کے لئے کر رہی ہیں۔ تو اس شخص نے کہا کہ آپ بھی عجیب ہیں وہ تو احراری ہے اور جماعت کی بڑی مخالفت کرتا ہے، اس کے لئے آپ یہ کپڑے تیار کر رہی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شرارت کرتے ہیں تو اللہ میاں ہماری حفاظت کرتا ہے اور جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے مخالف کی شرارتیں ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ لیکن یہ شخص مفلس ہے۔ اس کے اپنے بچوں اور پوتوں کے بدن ڈھانکنے کے لئے کپڑے مہیا کرنے کا سامان نہیں ہے تو اس کو ضرور تمند سمجھتے ہوئے میں اس کے لئے یہ کپڑے تیار کر رہی ہوں اور تم جو یہ اعتراض کر رہے ہو تو تمہاری سزا یہ ہے کہ جب میں یہ کپڑے تیار کر لوں گی تو تم ہی اس کے گھر جا کر پہنچا کر آؤ گے۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ یہ احراری ہے اور اس پر تو دوسرے احرازیوں کی نظر بھی ہوگی تو رات کے وقت جانا تاکہ اس کو کوئی تنگ نہ کرے کہ تم نے احمدیوں سے کپڑے وصول کئے۔

(اصحاب احمد جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۵-۱۷۶)

پھر آپ کا نمونہ بیواؤں اور یتیمی کی نگہداشت بھی آپ کا دل پسند مشغلہ تھا۔ اور لکھنے والے کہتے ہیں کہ بچیوں کے جہیز تیار کر رہی ہوتیں تو بڑے انہماک سے اپنے ہاتھوں سے ساری تیاری کیا کرتی تھیں، کپڑے تیار کیا کرتی تھیں۔

(اصحاب احمد جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۶)

پھر حضرت میر محمد اسحاق صاحبؒ بھی یتیموں کی خبر گیری کی طرف بہت توجہ دیتے تھے اور دارالیتامی میں اتنے یتیم تھے، دارالشیوخ کہلاتا تھا تو ان کے بارہ میں روایت آتی ہے کہ ایک دفعہ بخار میں آرام فرما رہے تھے اور شدید بخار تھا۔ نقاہت تھی، کمزوری تھی۔ کارکن نے آکر کہا کہ کھانے کے لئے جنس کی کمی ہے اور کہیں سے انتظام نہیں ہو رہا۔ لڑکوں نے صبح سے ناشتہ بھی نہیں کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا فوراً تانگہ لے کر آؤ اور تانگے میں بیٹھ کر مخیر حضرات کے گھروں میں گئے اور جنس اکٹھی کی اور پھر ان بچوں کے کھانے کا انتظام ہوا۔ تو یہ جذبے تھے ہمارے بزرگوں کے کہ بخار کی حالت میں بھی اپنے آرام کو قربان کیا اور یتیم بچوں کی خاطر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور یہ ایسا کیوں نہ ہوتا۔ آپ کو تو اپنے آقا ﷺ کی یہ خوشخبری نظروں کے سامنے تھی کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا اس طرح جنت میں ساتھ ساتھ ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں ہوتی ہیں۔ شہادت کی اور درمیانی انگلی آپ نے اکٹھی کی۔ تو یہ نمونے تھے ہمارے بزرگوں کے۔

پھر حضرت حافظ معین الدین صاحبؒ کے بارہ میں روایت آتی ہے کہ آپ کو نظر نہیں آتا تھا، آنکھوں کی بینائی سے محروم تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک سردرات میں جب کہ قادیان کی کچی گلیوں میں سخت کچھڑ تھا، بہت مشکل سے گرتے پڑتے کہیں جا رہے تھے۔ ایک دوست نے پوچھا تو فرمایا بھائی یہاں ایک کُتیا نے بچے دئے ہیں۔ میرے پاس ایک روٹی پڑی تھی۔ میں نے کہا کہ جھڑی کے دن ہیں یعنی بارش ہو رہی ہے اس کو ہی ڈال دوں۔ اور یہ بھی سنت کی پیروی تھی جو حافظ صاحب نے کی کہ جانوروں پر بھی رحم کرو اور یاد رکھو وہ واقعہ جب کسی کنوئیں میں اتر کر، اپنے جوتے میں پانی بھر کر کتے کو پانی پلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیکی کے عوض اسے بخش دیا۔ اس پر صحابہ بہت حیران ہوئے اور پوچھا کہ کیا جانوروں کی وجہ سے بھی اجر ملے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہاں ہر ذی روح اور جاندار کی نیکی اور احسان کا اجر ملتا ہے۔

پھر ایک واقعہ ہے ایک احمدی حضرت نور محمد صاحب کا۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ اور آپ کے پاس نہ کوٹ تھا نہ کبیل۔ صرف اوپر نیچے دو قمیصیں پہن رکھی تھیں کہ گاڑی میں سوار تھے۔ ایک معذور بوڑھا ننگے بدن کانپتا ہوا نظر آیا۔ اسی وقت اپنی ایک قمیص اتار کر اسے پہنادی۔ ایک سکھ دوست بھی ساتھ سفر کر رہا تھا وہ یہ دیکھ کر کہنے لگا ”بھائی جی ہُن تہا ڈاتے بیڑا پار ہو جائے گا، آپاں

داپتہ نہیں کی ہے؟“ تو یہ نمونے تھے۔ پھر چند دن بعد یوں ہوا کہ یہی نور محمد صاحب ایک نیا کبیل اوڑھ کر بیت الذکر مغلیہ میں نماز فجر کے لئے آئے تو دیکھا کہ فتح دین نامی ایک شخص جو کسی وقت بہت امیر تھا بیماری اور افلاس کے مارے ہوئے سردی سے کانپ رہے تھے۔ تو نور محمد صاحب نے فوراً اپنا نیا کبیل اتارا اور اسے اوڑھادیا۔

(روح پرور یادیں صفحہ ۶۸۷)

پھر ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے وقت لاکھوں لٹے پٹے مہاجر لوگ قافلوں کی صورت میں قادیان کا رخ کرتے تھے اور اس وقت انتہائی برے حالات تھے۔ مسلمانوں کی عورتوں کی عزت و حرمت کی کوئی ضمانت نہیں تھی اور سب مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ قادیان پہنچ جائیں تو ہم محفوظ ہو جائیں گے۔ تو اس وقت بھی جو بھی جماعت کے افراد وہاں موجود تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت وہاں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں انچارج بنایا ہوا تھا تو سب آنے والوں کو جو بڑی کسمپرسی کی حالت میں وہاں پہنچے تھے۔ بعض کپڑوں کے بھی بغیر تھے تو حضور نے سب سے پہلے اپنے گھر کے، خاندان والوں کے کپڑے نکالے بسوں سے اور پھر ان کو دئے۔ پھر وہیں سے قافلے ایک انتظام کے تحت روانہ ہوئے اور پاکستان پہنچتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑے محفوظ طریقے سے پہنچتے رہے۔ اور احمدیوں نے اپنی جانوں کو قربان کر کے ان لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری ادا کی۔

پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں ایک یہ شرط بھی ہے کہ ہم اب اس عہد کے ساتھ جماعت میں شامل ہوتے ہیں کہ بیعت کرنے کے بعد اب ہمارا اپنا کچھ نہیں رہا۔ اب سارے رشتے اور تمام تعلقات صرف اس وقت تک ہیں جب تک کہ وہ نظام جماعت اور حضور اقدس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کوئی رشتہ، کوئی تعلق ہمیں حضور علیہ السلام سے دور نہیں لے جا سکتا۔ ہم تو اس در کے فقیر ہیں اور یہی ہمیں مقدم ہے۔ پھر اس عہد کو نبھایا گیا اور خوب نبھایا۔ اس کی بھی چند مثالیں پیش کرتا ہوں اور اکثر ایسے ہیں جن کو زمانے کے امام نے خود اپنے الفاظ میں زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”ایسا ہی ہمارے دلی محب مولوی محمد احسن صاحب امر وہی جو اس سلسلہ کی تائید کے لئے

عمدہ عمدہ تالیفات میں سرگرم ہیں اور صاحبزادہ پیر جی سراج الحق صاحب نے تو ہزاروں مریدوں سے قطع تعلق کر کے اس جگہ کی درویشانہ زندگی قبول کی۔ اور میاں عبداللہ صاحب سنورتی اور مولوی برہان الدین صاحب جہلمی، اور مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی اور قاضی ضیاء الدین صاحب قاضی کوٹی اور منشی چوہدری نبی بخش صاحب بٹالہ ضلع گورداسپور اور منشی جلال الدین صاحب یلانی وغیرہ احباب اپنی اپنی طاقت کے موافق خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ میں اپنی جماعت کے محبت اور اخلاص پر تعجب کرتا ہوں کہ ان میں سے نہایت ہی کم معاش والے جیسے میاں جمال دین اور امام دین کشمیری میرے گاؤں کے قریب رہنے والے ہیں۔ یہ تینوں غریب بھائی جو شاید تین آنہ یا چار آنہ روزانہ مزدوری کرتے ہیں سرگرمی سے ماہواری چندہ میں شریک ہیں۔ ان کے دوست میاں عبدالعزیز پٹواری کے اخلاص سے بھی مجھے تعجب ہے کہ باوجود قلت معاش کے ایک دن سو روپیہ دے گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے۔ وہ سو روپیہ اس غریب نے شاید کئی برسوں میں جمع کیا ہوگا مگر لہی جوش نے خدا کی رضا کا جوش دلایا۔“

(انجام آتھم، روحانی خزائن جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۳۱۳-۳۱۴)

پھر آپ حضرت خلیفۃ المسیح اولؑ کے متعلق فرماتے ہیں:-

”کثرت مال کے ساتھ کچھ قدر قلیل خدا کی راہ میں دیتے ہوئے تو بہتوں کو دیکھا مگر خود بھوکے پیاسے رہ کر اپنا عزیز مال رضائے مولیٰ میں اٹھا دینا اور اپنے لئے دنیا میں سے کچھ نہ بنانا یہ صفت کامل طور پر مولوی صاحب موصوف میں دیکھی..... جس قدر ان کے مال سے مجھ کو مدد پہنچی ہے اس کی نظیر اب تک کوئی میرے پاس نہیں۔“

(نشان آسمانی۔ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۴۰۷)

پھر حضرت خلیفۃ المسیح اولؑ، مولانا نور الدین صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت

میں لکھا کہ:

”میں آپ کی راہ میں قربان ہوں۔ میرا جو کچھ ہے، میرا نہیں آپ کا ہے۔ حضرت پیرو مرشد میں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا سارا مال و دولت اگر دینی اشاعت میں خرچ ہو جائے تو میں مراد کو پہنچ گیا۔“

(فتح اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۶)



حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام حضرت منشی ظفر احمد صاحبؒ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ:

”حسی فی اللہ منشی ظفر احمد صاحب جو جوان صالح اور کم گو اور خلوص سے بھر دقین فہم آدمی ہے یعنی بڑی باریک نظر سے دیکھنے والے ہیں۔ استقامت کے آثار و انوار ان میں ظاہر ہیں۔ وفاداری کی علامات وغیرہ میں قسمت زدہ ہیں۔ ثابت شدہ صدقاتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اور ان سے لذت اٹھاتا ہے۔ اللہ اور رسول سے سچی محبت رکھتا ہے اور ادب، جس پر تمام مدار حصول فیض کا ہے اور حسن ظن جو اس راہ کامرکب ہے دونوں سیرتیں ان میں پائی جاتی ہیں یعنی فیض اٹھانا اور حسن ظن رکھنا۔ جن کا یہ مجموعہ ہے یہ دونوں صفتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ جزا ہم اللہ خیر الجزاء۔“

پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام حضرت میاں عبداللہ سنوریؒ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ:

”جی فی اللہ میاں عبداللہ سنوریؒ یہ جوان صالح اپنی فطرتی مناسبت کی وجہ سے میری طرف کھنچا گیا۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان وفادار دوستوں میں سے ہے جن پر کوئی ابتلاء جنبش نہیں لاسکتا۔“ یعنی کوئی ابتلاء ان کو اپنی جگہ سے ہلانہیں سکتا۔ ”وہ متفرق وقتوں میں دو دو تین تین ماہ تک بلکہ زیادہ بھی میری صحبت میں رہا اور میں ہمیشہ بنظر ایمان اس کی اندرونی حالت پر نظر ڈالتا رہا ہوں، یعنی میں بڑے غور سے دیکھتا رہا ہوں۔“ تو میری فراست نے اس کی تہ تک پہنچنے سے جو کچھ معلوم کیا وہ یہ ہے کہ یہ نو جوان درحقیقت اللہ اور رسول کی محبت میں ایک خاص جوش رکھتا ہے اور میرے ساتھ اس کے اس قدر تعلق محبت کی بجز اس بات کے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کے دل میں یقین ہو گیا ہے کہ یہ شخص محبان خدا اور رسول میں سے ہے۔“

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد نمبر ۳ صفحہ ۵۳۱)

پھر حضرت منشی اروڑا صاحبؒ کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جی فی اللہ منشی محمد اروڑا نقشہ نویس مجسٹریٹ۔ منشی صاحب محبت اور خلوص اور ارادت میں زندہ دل آدمی ہیں۔ سچائی کے عاشق اور سچائی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں۔ خدمات کو نہایت نشاط سے بجالاتے ہیں، بڑی خوشی سے بجالاتے ہیں۔“ بلکہ وہ تو دن رات اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی خدمت مجھ سے صادر ہو جائے۔ عزیز منشرح الصدر اور جانثار آدمی ہیں۔“ یعنی کھلے دل سے قبول کرنے والے اور جانثار آدمی ہیں۔ ”میں خیال کرتا ہوں کہ ان کو اس عاجز سے ایک نسبت عشق ہے۔ شاید ان کی اس سے بڑھ کر اور کسی بات میں خوشی نہیں ہوتی ہوگی کہ اپنی طاقتوں اور اپنے مال

اور اپنے وجود کی ہر ایک توفیق سے کوئی خدمت بجالائیں۔ وہ دل و جان سے وفادار اور مستقیم الاحوال اور بہادر آدمی ہے۔ ہر حال میں وفادار ہیں۔ اور مضبوط ہیں ایمان میں اور بہادر آدمی ہیں۔ ”خدائے تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے۔“

پھر آپ نے فرمایا: ”جی فی اللہ میاں محمد خان صاحب ریاست کپور تھلہ میں نوکر ہیں۔ نہایت درجہ کے غریب طبع، صاف باطن، دقیق فہم، حق پسند۔“ یعنی باریکی سے غور کرنے والے اور حق کو پہچاننے والے، سچ کو پسند کرنے والے۔ ”اور جس قدر انہیں میری نسبت عقیدت و ارادت و محبت اور نیک ظن ہے ہمیں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مجھے ان کی نسبت یہ تر ڈونہیں ہے کہ ان کے اس درجہ ارادت میں کبھی کوئی؟ پیدا ہو۔ بلکہ یہ اندیشہ ہے کہ حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے۔ وہ سچے وفادار اور جانثار اور مستقیم الاحوال ہیں۔ خدا ان کے ساتھ ہو۔ ان کا نوجوان بھائی سردار علی خان بھی میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہے۔ یہ لڑکا بھی اپنے بھائی کی طرح بہت سعید اور رشید ہے۔“ بہت نیک اور سیدھے رستے پر چلنے والا۔ اور ”خدا تعالیٰ ان کا محافظ ہو۔“

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد نمبر ۳ صفحہ ۵۳۲)

پھر آپ فرماتے ہیں:

”میرے نہایت پیارے بھائی اپنی جدائی سے ہمارے دل پر داغ ڈالنے والے مرزا اعظم بیگ صاحب مرحوم و مغفور رئیس سامانہ علاقہ پٹیالہ کے ہیں جو دوسری ربیع الثانی ۱۳۰۸ ہجری میں اس جہان فانی سے انتقال کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ فرماتے ہیں اَلْعَيْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزُنُ وَاِنَّا بِفِرَاقِهِ لَمَحْزُونُونَ یعنی آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہیں اور ہم اس کی جدائی سے غمزدہ ہیں۔ مرزا صاحب مرحوم جس قدر مجھ سے محض اللہ محبت رکھتے تھے اور جس قدر مجھ میں فنا ہو رہے تھے۔ میں کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں تا اس کے مرتبہ کو بیان کر سکوں۔ اور جس قدر ان کی بے وقت مفارقت سے مجھے غم اور اندوہ پہنچا ہے میں اپنے گزشتہ زمانہ میں اس کی نظیر بہت کم دیکھتا ہوں۔ وہ ہمارے فرد اور ہمارے میر منزل ہیں، یعنی ہماری نظر میں ان کا بڑا مقام ہے اور بڑے اچھے آگے بڑھنے والے تھے لیڈرانہ صلاحیت تھی جو ہمارے دیکھتے دیکھتے ہم سے رخصت ہو گئے۔ جب تک ہم زندہ رہیں گے ان کی وفات کا غم ہمیں نہیں بھولے گا۔ ان کی مفارقت کی یاد سے طبیعت میں اداسی اور سینہ میں کرب کے غلبہ سے کچھ خلش اور دل میں غم اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ان

کا تمام وجود محبت سے بھر گیا تھا۔ مرزا صاحب مرحوم مجانہ جوشوں کے ظاہر کرنے کے لئے بڑے بہادر تھے۔

(فتح اسلام، روحانی خزائن جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۹)

حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب پتھر پرفر ماتے ہیں۔ دعا ہے، بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے یہ بیان دے رہے تھے کہ:

”اے میرے آقا! میں اپنے دل میں متضاد خیالات موجزن پاتا ہوں۔ ایک طرف تو میں بہت اخلاص سے اس امر کا خواہاں ہوں کہ حضورؐ کی صداقت اور روحانی انوار سے بیرونی دنیا جلد واقف ہو جائے۔ اور تمام اقوام و عقائد کے لوگ آئیں اور اس سرچشمہ سے سیراب ہوں جو اللہ تعالیٰ نے یہاں جاری کیا ہے۔ لیکن دوسری طرف اس خواہش کے عین ساتھ ہی اس خیال سے میرا دل اندوگین ہو جاتا ہے کہ جب دوسرے لوگ بھی حضورؐ سے واقف ہو جائیں گے اور بڑی تعداد میں یہاں آنے لگیں گے تو اس وقت مجھے آپؐ کی صحبت اور قرب جس طرح میسر ہے اُس سے لطف اندوز ہونے کی مسرت سے محروم ہو جاؤں گا۔ ایسی صورت میں حضور دوسروں کے گھر جائیں گے۔ حضور والا! مجھے اپنے پیارے آقا کی صحبت میں بیٹھنے اور ان سے گفتگو کرنے کا جو مسرت بخش شرف حاصل ہے اس سے مجھے محرومی ہو جائے گی۔ ایسی متضاد خواہشات یکے بعد دیگرے میرے دل میں رونما ہوتی ہیں۔“

تو قاضی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام میری یہ باتیں سن کر مسکرا دئے۔

(اصحاب احمد جلد ۶ صفحہ ۱۰)

پھر قاضی ضیاء الدین صاحبؒ کا ہی ایک نمونہ ہے۔ قاضی عبدالرحیم صاحبؒ سناتے تھے کہ ایک دفعہ والد صاحبؒ نے خوشی سے بیان کیا کہ میں وضو کر رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کے خادم حضرت حافظ حامد علی صاحبؒ نے میرے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ تو حضورؐ نے میرا نام اور پتہ بتاتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اس شخص کو ہمارے ساتھ عشق ہے۔ چنانچہ قاضی صاحبؒ اس بات پر فخر کیا کرتے اور (تجب سے) کہا کرتے تھے کہ حضورؐ کو میرے دل کی کیفیت کا کیونکر علم ہو گیا۔ یہ اسی عشق کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ میں بڑی مشکل سے تمہیں حضرت مسیح موعودؑ کے در پر لے آیا ہوں۔ اب

میرے بعد اس دروازہ کو کبھی نہ چھوڑنا۔ چنانچہ آپ کی اولاد نے اس پر کامل طور پر عمل کیا۔

(اصحاب احمد جلد 6 صفحہ 8-9)

حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب کو کابل میں ۱۹۲۳ء میں شہید کیا گیا۔ شہادت سے پہلے انہوں نے قید خانہ سے ایک احمدی دوست کو خط لکھا اور اس میں فرمایا ”میں ہر وقت قید خانہ میں خدا سے یہ دعا کرتا ہوں کہ الہی اس نالائق بندہ کو دین کی خدمت میں کامیاب کر۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھے قید خانہ سے رہائی بخشے بلکہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ الہی اس نالائق کے وجود کا ذرہ ذرہ احمدیت پر قربان کر دے۔“

(تاریخ احمدیت جلد نمبر ۵)

پھر اسی دسویں شرط کے تحت کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک ایسا تعلق ہوگا جس کی نظیر نہ ہو۔ یہ واقعہ سید عبدالستار شاہ صاحب کا ہے کہ ۱۹۰۷ء میں جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد بیمار ہو گئے اور شدید قسم کا ٹائیفائیڈ کا حملہ ہوا۔ ان کی بیماری کے ایام میں کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ مبارک احمد کی شادی ہو رہی ہے۔ اور معبرین نے لکھا ہے کہ اگر شادی غیر معلوم عورت سے ہو تو اس کی تعبیر موت ہوتی ہے مگر بعض معبرین کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ایسے خواب کو ظاہری صورت میں پورا کر دیا جائے تو بعض دفعہ یہ تعبیر ٹل جاتی ہے۔ پس جب خواب دیکھنے والے نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنا یہ خواب سنایا تو آپ نے بھی یہی فرمایا کہ اس کی تعبیر موت ہے مگر اسے ظاہری رنگ میں پورا کر دینے کی صورت میں بعض دفعہ یہ تعبیر ٹل جاتی ہے۔ اس لئے آؤ مبارک احمد کی شادی کر دیں۔ گویا وہ بچہ جسے شادی بیاہ کا کچھ علم نہ تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کی شادی کا فکر ہوا۔ جس وقت حضور علیہ السلام یہ باتیں کر رہے تھے تو اتفاقاً حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کی اہلیہ سیدہ سعیدۃ النساء بیگم صاحبہ جو یہاں بطور مہمان آئی ہوئی تھیں صحن میں نظر آئیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو بلایا اور فرمایا ہمارا منشاء ہے کہ مبارک احمد کی شادی کر دیں۔ آپ کی لڑکی مریم ہے۔ آپ اگر پسند کریں تو اس سے مبارک احمد کی شادی کر دی جائے۔ انہوں نے کہا حضور مجھے کوئی عذر نہیں لیکن اگر حضور کچھ مہلت دیں تو ڈاکٹر صاحب سے بھی پوچھ لوں۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب مرحوم اور ان کے اہل و عیال گول

کمرہ میں رہتے تھے۔ وہ (اہلیہ حضرت ڈاکٹر صاحب) نیچے گئیں۔ ڈاکٹر صاحب شاید وہاں نہ تھے۔ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا تو وہ آگئے۔ جب وہ آئے تو انہوں نے اس رنگ میں ان سے بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں جب کوئی داخل ہوتا ہے تو بعض دفعہ اس کے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ایمان کی آزمائش کرے تو کیا آپ پکے رہیں گے؟ ان کو اس وقت دو خیال تھے کہ شاید ان کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو یہ رشتہ کرنے میں تاثر ہو۔ ایک تو یہ کہ اس سے قبل ان کے خاندان کی کوئی لڑکی غیر سید کے ساتھ نہ بیاہی گئی تھی۔ اور دوسرے یہ کہ مبارک احمد ایک مہلک بیماری میں مبتلا تھا۔ اور ڈاکٹر صاحب مرحوم خود اس کا علاج کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے وہ خیال کریں گے کہ یہ شادی ننانوے فیصد خطرہ سے پُر ہے۔ اور اس سے لڑکی کے ماتھے پر جلد ہی بیوگی کا ٹیکہ لگنے کا خوف ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے گھر والوں کو یہ خیال تھا کہ ایسا نہ ہو ڈاکٹر صاحب کمزوری دکھائیں۔ اور ان کا ایمان ضائع ہو جائے اس لئے انہوں نے پوچھا کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ایمان کی آزمائش کرے تو کیا آپ پکے رہیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ مجھے اُمید ہے اللہ تعالیٰ استقامت عطا کرے گا۔ اس پر والدہ مریم بیگم مرحومہ نے ان کی بات سنائی اور بتایا کہ اس طرح میں اوپر گئی تھی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ مریم کی شادی مبارک احمد سے کر دیں۔ یہ بات سن کر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اچھی بات ہے اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ پسند ہے تو ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ان کا یہ جواب سن کر مریم بیگم مرحومہ کی والدہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو ہمیشہ بڑھاتا چلا جائے، روپڑیں۔ اور بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب مرحوم نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا۔ کیا تم کو یہ تعلق پسند نہیں؟۔ انہوں نے کہا مجھے پسند ہے۔ بات یہ ہے کہ جب سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نکاح کا ارشاد فرمایا تھا، میرا دل دھڑک رہا تھا اور میں ڈرتی تھی کہ کہیں آپ کا ایمان ضائع نہ ہو جائے۔ اور اب آپ کا جواب سن کر میں خوشی سے اپنے آنسو روک نہیں سکی۔ چنانچہ یہ شادی ہو گئی اور کچھ دنوں کے بعد (جیسا کہ بیماری شدید تھی) وہ لڑکی بھی بیوہ ہو گئی۔ اب دیکھیں اللہ تعالیٰ نے بھی ڈاکٹر صاحب کے اخلاص کو ضائع نہیں کیا اور حضرت مصلح موعودؑ سے ان کی

شادی ہوئی جس کا نام حضرت اُمّ طاہر، مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا تھا۔

(روزنامہ الفضل قادیان، یکم اگست ۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲۔ بحوالہ سیرت سید عبدالستار شاہ صاحب صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۴)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؒ کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”انہی دنوں میں جب کہ متواتر یہ وحی خدا کی مجھ پر ہوئی۔ اور نہایت زبردست اور قوی نشان ظاہر ہوئے۔ اور میرا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا دلائل کے ساتھ دنیا میں شائع ہوا۔ خواست علاقہ حدود کابل میں ایک بزرگ تک جن کا نام اخوندزادہ مولوی عبداللطیف ہے کسی اتفاق سے میری کتابیں پہنچیں اور وہ تمام دلائل جو نقل اور عقل اور تائیدات سماوی سے میں نے اپنی کتابوں میں لکھے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کی تائید سے میں نے اپنی کتابوں میں لکھے تھے) وہ سب دلیلیں ان کی نظر سے گزریں اور چونکہ وہ بزرگ نہایت پاک باطن اور اہل علم اور اہل فراست اور خدا ترس اور تقویٰ شعار تھے اس لئے ان کے دل پر ان دلائل کا قوی اثر ہوا اور ان کو اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اور ان کے پاک کائنات نے بلا توقف مان لیا کہ یہ شخص منجانب اللہ ہے اور یہ دعویٰ صحیح ہے۔ تب انہوں نے میری کتابوں کو نہایت محبت سے دیکھنا شروع کیا اور ان کی روح جو نہایت صاف اور مستعد تھی میری طرف کھینچی گئی یہاں تک کہ ان کے لئے بغیر ملاقات کے دور بیٹھے رہنا نہایت دشوار ہو گیا۔ آخر اس زبردست کشش اور محبت اور اخلاص کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس غرض سے کہ ریاست کابل سے اجازت حاصل ہو جائے حج کے لئے مصمم ارادہ کیا اور امیر کابل سے اس سفر کے لئے درخواست کی۔ چونکہ وہ امیر کابل کی نظر میں ایک برگزیدہ عالم اور تمام علماء کے سردار سمجھے جاتے تھے اس لئے نہ صرف ان کو اجازت ہوئی بلکہ امداد کے طور پر کچھ روپیہ بھی دیا گیا۔ سو وہ اجازت حاصل کر کے قادیان میں پہنچے اور جب مجھ سے ان کی ملاقات ہوئی تو قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ان کو اپنی بیروی اور اپنے دعوے کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا کہ جس سے بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اور جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میں نے ان کو اپنی محبت سے بھرا ہوا پایا۔ اور جیسا کہ ان کا چہرہ نورانی تھا ایسا ہی ان کا دل مجھے نورانی معلوم ہوتا تھا۔“

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۹-۱۰)

پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خلیفہ اولؑ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ:

”اس جگہ میں اس بات کا اظہار اور اس کا شکر ادا کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔ میرے ساتھ تعلق اخوت پکڑنے والے اور اس سلسلے میں داخل ہونے والے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے محبت اور اخلاص کے رنگ سے ایک عجیب طرز پر رنگین ہیں۔ نہ میں نے اپنی محنت سے بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص احسان سے جو صدق سے بھری ہوئی روحیں مجھے عطا کی ہیں۔ سب سے پہلے میں اپنے ایک روحانی بھائی کے ذکر کرنے کے لئے دل میں جوش پاتا ہوں جن کا نام ان کے نور اخلاص کی طرح

نور دین ہے۔ میں ان کی بعض دینی خدمتوں کو جو اپنے مال حلال کے خرچ سے اعلائے کلمہ اسلام کے لئے وہ کر رہے ہیں ہمیشہ ادب کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ کاش وہ خدمتیں مجھ سے بھی ادا ہو سکتیں۔ ان کے دل میں جو تائید دین کے لئے جوش بھرا ہے اس کے تصور سے قدرت الہی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ وہ کیسے اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ وہ اپنے تمام مال اور تمام زور اور تمام اسباب مقدرت کے ساتھ جو ان کو میسر ہے (یعنی جو مال ان کے قبضے میں ہے) ہر وقت اللہ اور رسول کی اطاعت کے لئے مستعد کھڑے ہیں اور میں تجربہ سے نہ صرف حسن ظن سے یہ علم صحیح واقعی رکھتا ہوں کہ انہیں میری راہ میں مال کیا بلکہ جان اور عزت تک دریغ نہیں اور اگر میں اجازت دیتا تو وہ سب کچھ اس راہ میں فدا کر کے اپنی روحانی رفاقت کی طرح جسمانی رفاقت اور ہر دم صحبت میں رہنے کا حق ادا کرتے۔ ان کے بعض خطوط کی چند سطریں بطور نمونہ ناظرین کو دکھلاتا ہوں تا ان کو معلوم ہو کہ میرے پیارے بھائی حکیم نور الدین بھیروی معالج ریاست جموں نے محبت اور اخلاص کے مراتب میں کہاں تک ترقی کی ہے اور وہ سطریں یہ ہیں، لکھتے ہیں:

مولانا، مرشدنا، اما من! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عالی جناب میری دعا یہ ہے کہ ہر وقت حضور کی جناب میں حاضر رہوں اور امام زمان سے جس مطلب کے واسطے وہ مجد کیا گیا ہے وہ مطالب حاصل کروں۔ اگر اجازت ہو تو میں نوکری سے استعفیٰ دے دوں اور دن رات خدمت عالی میں پڑا رہوں۔ یا اگر حکم ہو تو اس تعلق کو چھوڑ کر دنیا میں پھروں اور لوگوں کو دین حق کی طرف بلاؤں اور اسی راہ میں جان دوں۔ میں آپ کی راہ میں قربان ہوں۔ میرا جو کچھ ہے میرا نہیں، آپ کا ہے۔ حضرت پیر و مرشد! میں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا سارا مال و دولت اگر دینی

اشاعت میں خرچ ہو جائے تو میں مراد کو پہنچ گیا..... مجھے آپ سے نسبت فاروقی ہے اور سب کچھ اس راہ میں فدا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دعا فرماویں کہ میری موت صدیقوں کی موت ہو۔  
مولوی صاحب ممدوح کا صدق اور ہمت اور ان کی غمخواری اور دیانتداری جیسے ان کے قول سے ظاہر ہے اس سے بڑھ کر ان کے حال سے ان کی مخلصانہ خدمتوں سے ظاہر ہو رہا ہے اور وہ محبت اور اخلاص کے جذبہ کاملہ سے چاہتے ہیں کہ سب کچھ یہاں تک کہ اپنے عیال کی زندگی بسر کرنے کی ضروری چیزیں بھی اسی راہ میں فدا کر دیں۔ ان کی روح محبت کے جوش اور ہستی سے ان کی طاقت سے زیادہ قدم بڑھانے کی تعلیم دے رہی ہے۔ اور ہر دم ہر آن خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔“

(فتح اسلام، روحانی خزائن جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۵ تا ۳۷)

ایک معترض کے جواب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں کہ:  
”آپ کہتے ہیں کہ صرف ایک حکیم نور الدین صاحب اس جماعت میں عملی رنگ رکھتے ہیں، دوسرے ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ اس افتراء کا کیا جواب دیں گے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں کہ سچے دل سے میرے پر ایمان لائے ہیں اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اور باتیں سننے کے وقت اس قدر روتے ہیں کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے ہزار ہا بیعت کنندوں میں اس قدر تبدیلی دیکھتا ہوں کہ موسیٰ نبی کے پیرو ان سے جو ان کی زندگی میں ان پر ایمان لائے تھے ہزار درجہ ان کو بہتر خیال کرتا ہوں اور ان کے چہرہ پر صحابہ کے اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں۔ ہاں شاذ و نادر کے طور پر اگر کوئی اپنے فطرتی نقص اور صلاحیت میں کم رہا ہو تو وہ شاذ و نادر میں داخل ہے۔“

فرماتے ہیں: ”میں دیکھتا ہوں کہ میری جماعت نے جس قدر نیکی اور صلاحیت میں ترقی کی ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ ہزار ہا آدمی دل سے فدا ہیں۔ اگر آج ان کو کہا جائے کہ اپنے تمام اموال سے دستبردار ہو جاؤ تو وہ دستبردار ہو جانے کے لئے مستعد ہیں۔ پھر بھی میں ہمیشہ ان کو اور ترقیات کے لئے ترغیب دیتا ہوں اور ان کی نیکیاں ان کو نہیں سنا تا مگر دل میں خوش ہوں۔“

(سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۶۵)

یہ تو چند نمونے تھے جو میں نے پیش کئے، حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی اس پیاری جماعت



میں ایسے ہزاروں لاکھوں نمونے بکھرے پڑے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے وقت میں لاکھوں کا ذکر کیا اب تو اور بھی بہت بڑھ چکے ہیں جنہوں نے اپنے اخلاص اور اپنی قربانیوں کے بڑے اعلیٰ معیار قائم کئے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جن کے وفا، اخلاص، تعلق، محبت، اطاعت کے واقعات سامنے نہیں آئے۔ یہ لوگ خاموشی سے آئے اور محبت و تعلق وفا اور اطاعت کی مثالیں رقم کرتے ہوئے خاموشی سے چلے گئے۔ ایسے مخلصین کی اولادوں کو چاہئے کہ اپنے ایسے بزرگوں کے واقعات قلمبند کریں اور جماعت کے پاس محفوظ کروائیں اور اپنے خاندانوں میں بھی ان روایتوں کو جاری کریں اور اپنی نسلوں کو بھی بتاتے رہیں کہ ہمارے بزرگوں نے یہ مثالیں قائم کی ہیں اور ان کو ہم نے جاری رکھنا ہے۔ جہاں ہم ان بزرگوں پر رشک کرتے ہیں کہ کس طرح وہ قربانیاں کر کے امام الزمان کی دعاؤں کے وارث ہوئے وہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ آج بھی ان دعاؤں کو سمیٹنے کے مواقع موجود ہیں۔ آئیں اور ان وفاؤں، اخلاص، اطاعت، تعلق اور محبت کی مثالیں قائم کرتے چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بننے چلے جائیں۔ یاد رکھیں جب تک یہ مثالیں قائم ہوتی رہیں گی زمینی مخالفتیں ہمارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فقرہ کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ ”زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے“۔

ان تبدیلیوں کو غیروں نے بھی دیکھا اور ان کا اعتراف کیا اور اتنی واضح اور کھلی تبدیلیاں تھیں کہ وہ مجبور تھے کہ اعتراف کرتے۔ اور یہ مان لیا کہ زمانہ کے امام کو مان کر احمدیوں میں بہت ساری تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں لیکن ان کا رویہ وہی ہے کہ میں نہ مانوں گی رٹ لگی رہتی ہے۔ بہر حال اس اعتراف کے چند نمونے میں پیش کرتا ہوں۔

علامہ اقبال نے لکھا کہ ”پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں“۔

(قومی زندگی اور ملت بیضاء پر ایک عمرانی نظر صفحہ ۸۴)

علامہ نیاز فتح پوری نے حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھا:

”اس میں کلام نہیں کہ انہوں نے یقیناً اخلاق اسلامی کو دوبارہ زندہ کیا اور ایک ایسی جماعت پیدا کر کے دکھا دی جس کی زندگی کو ہم یقیناً اسوہ نبی کا پرتو کہہ سکتے ہیں“۔

(ملاحظات نیاز فتح پوری صفحہ ۲۹)

پھرائیڈیٹر صاحب اخبار سٹیٹسمین دہلی نے لکھا:

”قادیان کے مقدس شہر میں ایک ہندوستانی پیغمبر پیدا ہوا جس نے اپنے گروپیش کو نیکی اور بلند اخلاق سے بھر دیا۔ یہ اچھی صفات اس کے لاکھوں ماننے والوں کی زندگی میں بھی منعکس ہیں۔“

(سٹیٹسمین دہلی ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء)

عبدالرحیم اشرف آزاد جماعت احمدیہ کے اندر پیدا ہونے والے انقلاب کا ذکر کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

”ہزاروں اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے اس نئے مذہب کی خاطر اپنی برادریوں سے علیحدگی اختیار کی۔ دنیاوی نقصانات برداشت کئے اور جان و مال کی قربانیاں پیش کیں..... ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ قادیانی عوام ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو خلاص کے ساتھ اسے حقیقت سمجھ کر اس کے لئے مال و جان اور دنیاوی وسائل و علاقے کی قربانی پیش کرتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بعض افراد نے کابل میں سزائے موت کو لبیک کہا۔ بیرون ملک دور دراز علاقوں میں غربت و افلاس کی زندگی اختیار کی۔“

(ہفت روزہ المنبر لائلپور ۲ مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۰)

اس کے باوجود ان لوگوں کی بد نصیبی ہے کہ ماننے کی توفیق نہیں ملی۔ الحمد للہ کہ ان کے اس اعتراف نے ہمارے ایمانوں کو مضبوط کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان اور یقین میں مزید اضافہ کرتا چلا جائے۔ اور عہد بیعت کی ہر شرط کو خوشی سے اور اپنے اوپر فرض سمجھتے ہوئے پورا کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے وارث بنیں۔

